طلاق ثلاثہ کے وقوع سے متعلق حضرت عمرؓ کا اجتہادی فیصلہ اور پاکستانی معاشرتی صورتحال

Casuistry Verdict of Ḥaḍrat ‘Umer (R.A) Regarding the Occurrence
Of Triple Divorce and Pakistani Social Situation

ڈاکٹر سیدہ سعدیہ*

Abstract

Marriage is indeed observed as an imperative and sacred union of man and woman which fulfils the half of ones’ religious requirements. In fact it is a legally obligatory, pertinent and resilient contract, so it is unlawful in Islām rather against the basic purpose and Islāmic intent of marriage to abolish it or to demand its termination unless absolutely, indispensable and adamant created circumstances. Although divorce is permissible, but its disgrace and vice has also been made clear by saying it “Abghaḍ al Ḥalāl”, (the most detestable lawful act) and in inevitable circumstances, it has also been allowed with many terms and restrictions so that to put off this ugly and repulsive act as much as possible. Hence the laws and setbacks of Divorce and Khulaʿ are of grave importance in the marital system of Islām. According to the way of Sunnah, to Divorce is an agreed upon (consensus) matter, but in Muslim family law, the issue of triple divorce has been a controversial, debatable, and contentious issue. A common man is baffled and confounded by the differences of the opinion among the jurists regarding this important societal issue. Disciples of the triple divorce and resisters of it, furnish their own explanations and justifications about the Casuistry Verdict and decision of Ḥaḍrat ‘Umar (R.A). Thus, in this research paper, after scrutinizing the arguments of the parties regarding the decision of Ḥaḍrat ‘Umar (R.A), the preferential views would be presented in the perspective of present social scenario. It would also be described that how this matter of triple divorce is turning the phase of increasing divorce rate in Pakistan and becoming one of the mainsprings of social disintegration and crumbling.

Keywords: Triple divorce, Ḥaḍrat ‘Umar (R.A) casuistry Verdict, Jurists, justification, social situation, Pakistan

---

* اسسٹنٹ پروفیسر، ادارہ عربی وعلوم اسلامیہ، جی سی ویمن یونیورسٹی، سیالکوٹ۔

اسلام کے نظام مناکحات میں طلاق ایک وخلع کے قوانین ومسائل انتہائی اہمیت کے حامل ہیں۔ طلاق اگرچہ مشروع ہے لیکن ابغض الحلال کہہ کر اس کی شناعت بھی واضح کر دی گئی ہے۔ اور ناگزیر حالات میں اس کی اجازت بھی بہت سی شرائط و پابندیوں کے ساتھ دی گئی ہے تاکہ جس قدر ممکن ہو سکے اس عمل قبیح کی راہ میں رکاوٹ ڈالی جائے۔ سنت طریق کے مطابق طلاق دینا ایک متفق علیہ مسئلہ ہے، مگر مسلم عائلی قوانین میں طلاق ثلاثہ کا مسئلہ ایک اختلافی اور متنازعہ فیہ مسئلہ رہا ہے۔ سوسائٹی کے اس اہم مسئلہ کے بارے میں فقہاء کے اختلافات کے باعث ایک عام آدمی تذبذب کا شکار ہو جاتا ہے۔ طلاق ثلاثہ کے قائلین وعدم قائلین حضرت عمرؓ کے اجتہادی فیصلے کے بارے میں اپنی اپنی توجیہات پیش کرتے ہیں۔ اس مقالہ میں حضرت عمرؓ کے اس فیصلے کے متعلق فریقین کے دلائل کے کا جائزہ لیتے ہوئے عصری معاشرتی تناظر میں ترجیحی آراء پیش کی جائیں گی۔

حضرت عمرؓ کا اجتہادی فیصلہ

ابن عباسؓ سے روایت ہے:

كَانَ الطَّلَاقُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَبِي بَكْرٍ، وَسَنَتَيْنِ مِنْ خِلَافَةِ عُمَرَ، طَلَاقُ الثَّلَاثِ وَاحِدَةً، فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ: إِنَّ النَّاسَ قَدِ اسْتَعْجَلُوا فِي أَمْرٍ قَدْ كَانَتْ لَهُمْ فِيهِ أَنَاةٌ، فَلَوْ أَمْضَيْنَاهُ عَلَيْهِمْ، فَأَمْضَاهُ عَلَيْهِمْ[1]

رسول ﷺ کے دور اور حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت کے ابتدائی دو سالوں میں تین طلاقوں کو ایک ہی شمار کیا جاتا تھا۔ پس حضرت عمر فاروق بن خطاب نے فرمایا: لوگوں نے ایک معاملہ جس میں اُن کے لیے آسانی تھی، اس میں جلد بازی کی۔ اس لیے اب یہ فیصلہ کیا جاتا ہے (کہ بیک وقت دی گئی تین طلاقیں تین ہی مانی جائیں گی)۔

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا:

أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ كَانَتْ لَكُمْ فِي الطَّلَاقِ أَنَاةٌ وَإِنَّهُ مَنْ تَعَجَّلَ أَنَاةَ اللهِ فِي الطَّلَاقِ أَلْزَمْنَاهُ إِيَّاهُ[2]

اے لوگو! تمھارے لیے طلاق میں تاخیر مناسب ہے، جس شخص نے طلاق میں اللہ کی تاخیر کو برقرار نہ رکھا تو ہم اس کو لازم کر دیں گے۔

امام نوویؒ شارح مسلم فرماتے ہیں کہ عہدِ نبوی، عہد صدیقی، اور ابتدائی زمانۂ خلافت فاروقی میں جب کوئی شخص یہ کہتا کہ تجھے طلاق ہے، طلاق، طلاق، اور ایک مجلس میں ہی دی گئی اِس طلاق سے تاکید و تجدید کی کوئی نیت نہ کرتا تھا تو ایک طلاق واقع ہوتی تھی اور اسی کا حکم دیا جاتا تھا، کیوں کہ اِس سے لوگوں کی نیت تجدید طلاق کی نہ ہوتی تھی۔ اس لیے عام حالت یعنی ارادۂ تاکید پر اس کی بات کو

1 Al-Qushayrī, Muslim Bin Hajjāj, Al-Jāmi al-Sahīh Lil Muslim,Dār Ahyā-al Turāth al-Arabi, Kitāb al-Talāq, Bāb Talāq e Talāth, Vol 2, p 1099, Hadith:1434

2 Al-Tahāwī, Abu Ja'far Ahmad Bin Muhammad, Sharh Ma'āni,al-Āthār, Āalim al-Kutab, 1994, Vol ,3, p 55

محمول کر کے ایک ہی طلاق واقع ہونے کا حکم دیا جاتا تھا۔ حضرت عمر فاروق کا زمانہ آیا اور لوگ یہ صیغہ بکثرت استعمال کرنے لگے اور عام طور پر تجدید طلاق کی نیت کی جانے لگی تو اس عہد کے لوگوں کا خیال کرتے ہوئے تین طلاق کے واقع ہونے کا فیصلہ کر دیا گیا[3] یعنی زمانۂ رسالت وعہد صدیقی کے لوگوں کی غالب عادت یہ تھی کہ تجھے طلاق ہے، طلاق، طلاق کہہ کر ایک ہی طلاق کی نیت کرتے تھے اور پہلا لفظ طلاق استعمال کرکے بعد کے دونوں الفاظِ طلاق سے اُس کی تاکید کرتے تھے۔ جیسے کہا جائے وہ دریا ہے، دریا ہے ، دریا ہے۔ اسی لیے لفظاً تین کہی گئی طلاق جو نیّت میں ایک ہی ہوتی تھی، اسے ایک ہی مانا جاتا تھا اور اگر تین طلاق کی نیت ہوتی تو تین طلاق مانی جاتی، لیکن اس وقت تین طلاق کہہ کر تین کی نیت کرنے کی غالب عادت نہ تھی۔ شارح صحیح بخاری علامہ بدرالدّین عینیؒ کی اس سلسلے میں تحقیق یہ ہے:

تابعین اور اُن کے بعد کے علمائے کرام، مثلاً امام اوزاعیؒ، امام نخعیؒ، امام ثوریؒ، امام ابو حنیفہؒ مع تلامذہ وامام شافعیؒ مع تلامذہ وامام احمد بن حنبلؒ مع تلامذہ اور اسحٰقؒ وابو ثورؒ وابو عبیدؒ و دیگر کثیر علما کا یہی مسلک ہے کہ جس نے اپنی عورت کو ایک ساتھ تین طلاقیں دیں کہ وہ تینوں طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں، لیکن ایسا کرنے والا گنہگار ہو گا[4]

عہدِ خلافتِ فاروقی میں لوگوں کی یہ عادت ہونے لگی کہ وہ تین ہی کی نیت کر کے طلاق دینے لگے۔ اس لیے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تین ہی طلاق مان لینے کا فیصلہ کیا اور وہ صحابۂ کرام جو عہدِ رسالت وعہد صدیقی کے فیض یاب و پروردہ تھے، ان کا بلا چون وچرا اس پر اجماع بھی ہو گیا۔ اگر عہد فاروقی میں بھی پہلے کی طرح غالب عادت ایک طلاق کی نیت ہوتی تو وہی حکم باقی اور جاری رہتا اور عہد عمر میں تبدیلیٔ نیت سے تبدیلیٔ حکم کی کوئی ضرورت بھی پیش نہ آتی۔

اپنے دورِ خلافت میں حضرت فاروقِ اعظم نے صحابۂ کرام کے مجمع میں فرمایا: طلاق کے سلسلے میں لوگوں کے لیے بڑی گنجائش اور مہلت تھی کہ ایک ایک طہر میں ایک ایک طلاق دیتے اور پھر ایسی صورت میں انھیں رجعت کا کافی موقع ملتا، لیکن لوگوں نے جلد بازی سے کام لینا شروع کیا اور ایک ہی مجلس میں تین طلاق دینے لگے۔ انھیں معلوم ہو جانا چاہیے کہ یہ تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی اور رجعت جائز نہ ہو گی۔ اس فیصلہ کی سبھی صحابۂ کرام نے موافقت کی اور کسی نے مخالفت نہ کی[5]۔ علامہ ابن قیمؒ حضرت عمرؓ کے اِس اجتہادی فیصلے کی توجیہ تفصیلاً پیش کرتے ہیں:

حضرت عمرؓ نے تین یکجائی طلاقوں کی شرعی حیثیت میں تبدیلی نہیں کی تھی، بلکہ محض تعزیراً ان کو نافذ کیا تھا۔ (تعزیرات کے باب میں حضرت عمرؓ کے اجتہادات، مثلاً شراب کی دکانوں کو جلا دینا، شرابیوں کے لیے اسی کوڑوں کی

---

3 Al-Nawawī,Abū Zakariyā Muhyuddin Yahya, Al-Minhāj Sharh Sahīh Muslim Bin al-Hajjaj, Dār Ahyā-al Turāth al-Arabi, Beirut, Vol, 10, p 71

4 Al-‘Ayni, Abu Muhammad Mahmūd Bin Ahmad, Umdat al-Qāri Sharh Sahīh al-Bukhāri, Dār Ahyā-al Turāth al-Arabi, Beirut, Vol, 30, p 223

5 Ibn-e-Hajjar, Ahmad Bin Ali, Fath al-Bārī Sharh Sahīh al-Bukhāri, Dār al-M’ārīfā, Beirut, 1379 , Vol, 30, p 363

سزا مقرر کرنا اور شہر بدر کرنا، وغیرہ)، صحابہ کرامؓ نے جب دیکھا کہ حضرت عمرؓ مصالح امت کے پیش نظر تعزیراً ان کو نافذ کر رہے ہیں تو انھوں نے اس معاملہ میں آپ سے اتفاق کیا۔[6]

حضرت عمرؓ نے جہاں مفاد عامہ اور مصلحت اور عصری ضروریات کو پیش نظر رکھ کر بہت سے اقدامات کیے وہیں ان کی خدمات جلیلہ میں سے یہ بھی تھا کہ تعزیرات کے حوالے سے بہت سے اجتہادات کیے۔ جس سے اُن کا مقصود جہاں جرائم کا سد باب اور ضرر رسانی سے ان کی مدافعت تھی، وہیں افرادِ معاشرہ کی تربیت، تزکیہ و تطہیر اور ایک مستحکم معاشرے کی تعمیر بھی تھی۔ اس لیے آپ نے طلاق ثلاثہ کے حوالے سے یہ حکم جاری کیا کہ اب مجلس واحدہ کی تین طلاقیں تین ہی شمار کی جائیں گی۔

شمس الدین پیر زادہ اِس روایت کے جواب میں لکھتے ہیں:

> اِس حدیث کو مجلس واحدہ کی تین طلاقوں کے ایقاع کے ثبوت میں پیش کیا جاتا ہے۔ جب حضرت عمرؓ نے صحابہ کرامؓ کی موجودگی میں تین یکجائی طلاقوں کو نافذ کر دیا تو اس سے اس کے ایقاع اور اس پر اجماع دونوں کا ثبوت ملتا ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ اگر اس حدیث سے حضرت عمرؓ کا ایک فیصلہ ثابت ہوتا ہے تو دوسری طرف حضرت ابو بکرؓ اور عہدِ رسالت کا تعامل بھی تو ثابت ہوتا ہے، پھر کس دلیل سے یہ کہنا صحیح ہوگا کہ حضرت عمرؓ کے فیصلہ کو مان لیا جائے لیکن حضرت ابو بکرؓ اور عہد رسالت کے تعامل کو قبول نہ کیا جائے؟ جب کہ عہد رسالت کا تعامل بہر حال فوقیت رکھتا ہے۔[7]

حاصلِ کلام یہ ہے کہ عہد نبوی و عہد صدیقی میں لوگ تین بار لفظ طلاق بول کر صرف پہلے لفظ سے ایک طلاق کی نیت اور دوسرے، تیسرے سے اُس کی تاکید مراد لیتے تھے، اس لیے ایک طلاق کا حکم تھا مگر جب شروع دورِ خلافتِ فاروقی کے بعد لوگ تین بار لفظ طلاق کا استعمال کر کے تین ہی طلاق کی نیّت کرنے لگے، تو حضرت عمر نے اجماعِ صحابہ کے ساتھ جانے کا فیصلہ فرما دیا، جس سے دورِ رسالت کے کسی حکم کی کوئی خلاف ورزی نہیں ہوئی، بلکہ نیت کے بدلنے سے اس کا جو حکم بدلتا تھا، اس کا اظہار واعلان کر دیا گیا، جسے دورِ حاضر جیسا کوئی سیاسی فیصلہ کہا جا سکتا ہے نہ ہی تعزیری حکم، کیوں کہ یہ خلافتِ راشدہ خلافت علیٰ منہاج النبوہ تھی اور اسی حکم و فیصلہ کو حضرت عمر کے بعد حضرت عثمان غنی، حضرت علی مرتضیٰ، حضرت امام حسن، حضرت امیر معاویہ اور ان حضرات کے بعد دیگر خلفا و ائمہ نے بھی باقی رکھا، اور عرف و عادت اور دستور جدید کو رسول اللہ ﷺ کی ان سنتوں کا تابع بنا دیا جن میں تین کی نیت سے دی گئی تین طلاقوں کو آپ نے تین ہی قرار دیا۔

---

6 Ibn e Qayim, Muhammad Bin Abī Bakar al- Jawzī, Zād al Ma'ād Fi Hadyi Khair al-'Ibāad, Mawsest al-Risālā, Beirut, Vol, 5, p, 248

7 Aik Mejles ki Teen Talāqan, Mejmu'ā Muqālat e Ilmiyā, Noumani Kuttab Khāna, Lahore, p 60

لوگوں نے جب طلاق دیتے وقت بمطابق سنت کی قید لگانا چھوڑ دیا اور تین طلاقوں سے تین ہی مراد لینے لگے تو اسی کے مطابق شرعی فیصلہ بھی نافذ کر دیا گیا، اور سبھی مفسّرین و محدّثین وفقہا و علمائے کرام نے اس فیصلے کی اپنے اپنے دور میں تائید وحمایت فرمائی۔

یہ اس گروہ کے استدلال تھے جو ایک مجلس میں دی گئی طلاق ثلاثہ پر تین طلاق کے وقوع قائلین ہیں۔ عدمِ قائلین طلاق اس حوالے سے ان کے موٴقف کی تردید اور جو جواب پیش کرتے ہیں ان کا بھی ساتھ ہی بیان کر دیا گیا ہے، ذیل میں مجلس واحدہ میں طلاق ثلاثہ کے وقوع کے عدم قائلین کے استدلال کا جائزہ لیا جاتا ہے تاکہ فریقین کے دلائل سے تجزیہ کرتے ہوئے پاکستان کی معاشرتی صورت حال میں کوئی بہتر لائحہ عمل تجویز کر سکیں۔

مجلس واحدہ میں طلاق ثلاثہ کے وقوع کے عدم قائلین حضرت عمرؓ کے اجتہادی فیصلے سے متعلق دلائل

حضرت ابن عباسؓ کی روایت مذکورہ کے الفاظ: فَلَوْ أَمْضَيْنَاهُ عَلَيْهِمْ، فَأَمْضَاهُ عَلَيْهِمْ[8]، جس کا ظاہری مفہوم یہی ہے کہ عہدِ رسالت اور عہدِ صدیقی اور عہدِ فاروقی کی ابتدا میں یہ تعامل رہا ہے کہ ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقیں ایک ہی تصور کی جاتی تھیں۔ حضرت عمرؓ کا یہ فتویٰ بطور سزا تھا اور بعض سزائیں حالات وظروف کے اعتبار سے تبدیل ہوتی رہتی ہیں۔ حضرت عمرؓ نے اس حکم کو جاری کرتے وقت یہ ہرگز نہیں فرمایا تھا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے، بلکہ انھوں نے اس کی نسبت اپنی طرف ہی کی تھی۔

ابن قیمؒ حضرت عمرؓ کے اِس قول کی توجیہ پیش کرتے ہیں:

> حضرت عمرؓ نے طلاق ثلاثہ کو عقوبت کے طور پر لازم کیا، تاکہ لوگ جان لیں کہ ایک وقت میں تین طلاقیں دینا حرام ہے اور کوئی شبہ نہیں کہ امام وقت کے لیے یہ جائز ہے کہ اگر وہ مناسب سمجھے تو تأدیب وعقوبت کے طور پر اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی رخصت واپس لے لے اور شدت اور سختی کی پالیسی اختیار کرے۔ ائمہ نے ایسا کیا ہے۔ پھر حضرت عمرؓ جیسا شخص جس کی نگاہ میں امت اور اس کی تأدیب پر بہت زیادہ تھی اس فعل حرام کے شیوع عام پر ایسا کیوں نہ کرتا۔ عقوبات، اختلافِ اشخاص وازمنہ کے ساتھ مختلف ہوتی رہتی ہیں، چنانچہ حضرت عمرؓ نے اپنے اس فعل کے جواز میں یہ کبھی نہیں کہا کہ یہ رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے۔ یہ صرف ان کی رائے ہے۔ جو امت کی مصلحت عمومی کے بنیاد پر انھوں نے قائم کی تھی، جو انھیں ایقاع طلاق ثلاثہ میں جلد بازی سے روکنے کے لیے کافی تھی۔ یہی

8 Muslim ibn al-Hajjaj , **Naysābūrī** , Al-Jāmi al-Sahīh, *Dar-us-Salam Islamic Bookstore*, June 2009 ,Hadith, 1472

وجہ ہے کہ انھوں نے فرمایا تھا بہتر ہو کہ ہم نے اسے (تین طلاقیں ایک دفعہ) ان پر عائد کر دیں۔ کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ ان کی رائے تھی، حدیث نبوی ﷺ نہیں تھی۔[9]

امام نوویؒ اس حدیث کی وضاحت میں لکھتے ہیں کہ مازری نے کہا کہ ان لوگوں نے جن کو حقائق کی خبر چھو کر بھی نہیں گزری کہ یہ حکم پہلے تھا، بعد میں منسوخ ہو گیا۔ یہ غلط محض ہے، کیونکہ حضرت عمرؓ (شریعت کے حکم) کو منسوخ نہیں کر سکتے اور اگر انھوں نے منسوخ کیا تو یقیناً صحابہ کرام اس کے انکار میں کھل کر سامنے آتے اور اگر اس قول کے قائل نے یہ چاہا کہ وہ کہے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں منسوخ ہو گیا تو یہ محال بات ظاہر ہوتی ہے کہ اگر یہ ایسا ہی تھا تو راوی کے لیے جائز نہیں تھا کہ وہ بقاء حکم کی خبر دے کہ خلافت ابی بکرؓ اور خلافت عمرؓ کے زمانہ تک جاری رہا۔ اگر یہ کہا جائے کہ صحابہ کا اس کے منسوخ ہونے پر اجماع ہو گیا۔ اور ان کا یہ اجماع قبول کیا جائے گا تو ہم کہیں گے کہ یہ اُس صورت میں قبول کیا جائے کہ وہ اپنے اجماع سے اس کے ناسخ پر استدلال کرتے۔ اگر وہ اپنے نفوس کی رائے سے اس کو منسوخ کر رہے ہیں تو اللہ کی پناہ، گویا انھوں نے خطا پر اجماع کر لیا اور وہ اس سے محفوظ ہیں کہ وہ ایسا کریں۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ نسخ کی بات اُن کے سامنے حضرت عمرؓ کے دور میں ظاہر ہو گی تو یہ بھی غلط ہے۔ کیونکہ اس کا ماحصل یہ ہے کہ انھوں نے حضرت ابو بکرؓ کے زمانے میں بھی خطا پر اجماع کیے رکھا۔ محققین اصولین اجماع کی صحت میں زمانے کے مختلف ہونے کی شرط نہیں رکھتے۔[10]

پیر کرم شاہ صاحبؒ امام نوویؒ کے اس استدلال کے حوالے سے رقمطراز ہیں کہ اگر یہ حکم منسوخ ہوتا۔۔۔ تو منسوخ حکم پر حضور کریم ﷺ کے عہد اور صدیق اکبرؓ کی خلافت اور حضرت عمرؓ کی خلافت کے دو سالوں میں اس پر عمل کیوں کر جاری رہتا اور یہ کوئی معمولی بات تو تھی نہیں کہ اس کی پرواہ نہ کی جاتی بلکہ اس کا تعلق تو حلت و حرمت سے تھا۔ مزید برآں حضرت فاروق اعظمؓ کے الفاظ اس جواب کو قبول نہیں کرتے۔ آپؓ فرماتے ہیں: إِنَّ النَّاسَ قَدِ اسْتَعْجَلُوا فِي أَمْرٍ قَدْ كَانَتْ لَهُمْ فِيهِ أَنَاةٌ۔ ان الفاظ پر غور کیجئے اور بتایئے کہ کیا منسوخ حکم میں بھی کوئی مہلت ہوا کرتی ہے۔ حکم منسوخ تو ختم ہو چکا۔ اس پر عمل پیرا ہونے سے روک دیا گیا، اب اس میں مہلت کا کیا معنی؟ تو معلوم ہوا کہ یہ حکم منسوخ نہ تھا ورنہ حضرت عمرؓ یہ نہ فرماتے۔[11] اس حوالے سے تفصیلاً بحث حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں کی ہے۔[12]

---

9 Ibn Qayyim al-Jawziyya, Dar ul Kitab ul Arabi , Beruit, 2005, Zād al Ma'ād, Vol, 5, p 270

10 Minhāj Sharh Sahīh Muslim Lil-Nawawī, Vol, 5, p 72-73

11 Al-azheri, Peer Karam Shah, Dāwat e Fikker o Nazar, Aik Mejles ki Teen Talāq, Mejmu'ā Muqālat-e Ilmiyā, p 237-238

12 Ibn e Hajar, Ahmad bin Ali, Dar al Ma'arifat, Bairut, Fath al-Bārī, Vol, 9, p 364

محمد حسین ہیکل اپنی کتاب عمر الفاروق میں حضرت عمرؓ کے اِس اقدام کی توجیہ یوں پیش کرتے ہیں:

غالب گمان یہ ہے کہ عہد فاروقیؓ میں جو لوگ اپنی بیویوں کو طلاق دیتے تھے، وہ طلاق دینے کے بعد اُن سے شفقت اور نرمی کا برتاؤ نہیں کرتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ عراق وشام کی کنیزیں بکثرت آگئی تھیں اور مدینہ جزیرۃ العرب کے لوگ ان پر فریفتہ تھے اور وہ اپنی من موہنیوں کو خوش کرنے کے لیے بیویوں کو بہ عجلت وشدت بیک وقت تین طلاقیں دینے لگے، تاکہ ان کی محبوبہ کو اطمینان ہو جائے کہ اب وہ ان کے دل پر تنہا قابض ہے۔ اس کے علاوہ کچھ اور اسباب بھی تھے جن کے باعث صدرِ اوّل کے مسلمانوں کی ایک جماعت نے طلاق ثلاثہ کو از راہِ بے پروائی وایذار سانی، ایک ہنسی کھیل بنا لیا تھا۔ ان میں ایک سبب یہ بھی ہے کہ جب کوئی مرد کسی آزاد عربی یا عجمی عورت سے شادی کرنا چاہتا تھا تو وہ یہ شرط پیش کرتی تھی کہ مرد اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے۔ تاکہ وہ اس کے لیے حلالہ کے بغیر حلال ہی نہ ہو سکے۔ اب اگر حلالہ کے بعد شوہر اپنی پہلی بیوی سے مراجعت کرتا بھی تھا تو اس سے گھر میں ایسی بدمزگی پیدا ہوتی تھی کہ زندگی اجیرن بن جاتی تھی۔ غرض کہ اس قسم کے اسباب تھے جن کی بنا پر حضرت عمرؓ نے یہ حکم جاری کیا کہ تین طلاقیں جو ایک مجلس میں اور دفعتہ واحدۃ دی جائیں گی ان کا حکم طلاق مغلظہ ہونے میں وہی ہو گا جو ان تین طلاقوں کا ہے جو طلاق سنت کے مطابق تین طہروں میں دی گئی ہوں۔ حضرت عمرؓ نے دیکھا جو شخص نکاح کی گرہ کو اتنا بے حقیقت سمجھتا ہے کہ بیک وقت تین طلاقیں دے ڈالتا ہے وہ بے حس اور یاوہ گو انسان ہے اور اسے اس بے حسی اور یاوہ گوئی کی سزا ملنی چاہیے۔[13]

اِس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کا یہ اقدام مخصوص حالات اور انتظامی مصلحت پر مبنی تھا۔ خلیفہ وقت کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ حالات کی سنگینی و مفاد عامہ کو مد نظر رکھتے ہوئے احکامات میں کچھ حد تک تبدیلی کر دے۔ آپؓ کے دور ہی میں اس کی ایک اور مثال ملتی ہے کہ آپؓ نے جب سرزمین عرب میں قحط پڑا تو چوری کی سزا کچھ عرصہ کے لیے معطل فرما دی تھی۔ اسی طرح مفتوحہ زمینوں کی تقسیم کے مسئلے میں بھی آپؓ نے امت کے مجموعی مفاد کو دیکھتے ہوئے فیصلہ فرمایا۔ محمد حسین ہیکل اس حوالے سے مزید لکھتے ہیں:

یہ حضرت عمرؓ کا اجتہاد ورائے ہے، جس کی مخالفت اُن کے بعد متعدد فقہا نے کی ہے۔ دورِ حاضر میں بھی بلاد اسلامیہ کا ایک گروہ اس کا مخالف ہے، لیکن اس سے نہ حضرت عمرؓ پر کوئی حرف آتا ہے اور نہ ہی ان سے اختلاف کرنے والوں پر۔ حضرت عمرؓ اور دیگر صحابہ کرامؓ اپنی رائے سے جو فتویٰ دیا کرتے تھے، وہ نہ تو بطور لزوم کے ہوتا تھا اور نہ ہی اس

---

13 Haikal Muhammad Hussain, Al-Farooq Umer R.A, Misser, Metbuā Shirkā Musāhīmā, Vol, 2, p 225-283

طور سے کہ وہی حق ہے۔ بلکہ ایک رائے ہے اگر درست ہو تو اللہ کی جانب سے ہے اور اگر غلط ہو تو صاحبِ رائے کی طرف سے ہے۔[14]

علامہ شبلی نعمانیؒ بھی طلاق ثلاثہ کے مسئلہ کو حضرت عمرؓ کی اوّلیات میں شمار کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

بہت سے مسائل ایسے ہیں جن میں دیگر صحابہؓ نے اختلاف کیا ہے اور وہی حق پر ہیں۔ مثلاً تیمم جنابت، منع تمتع، طلیقات ثلاثہ، وغیرہ، جن میں حضرت عمرؓ کے اجتہاد سے دوسرے صحابہ کا اجتہاد زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔[15]

اس اقتباس سے درج ذیل دو نکات واضح ہوتے ہیں:

ا۔ یہ فیصلہ اجماعی نہیں تھا۔

۲۔ حضرت عمرؓ سے اختلاف کرنے والوں کا مؤقف زیادہ درست ہے۔

حضرت عمرؓ نے یہ حکم مفاد عامہ کے لیے کیا، تاکہ لوگوں میں اس حکم کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا خوف موجود رہے اور وہ اس کو مذاق نہ بنالیں۔ اس لیے جو رخصت انھیں طلاق کے معاملے میں دی گئی تھی اس کو ختم کیا گیا۔ عبدالرحمٰن کیلانی حضرت عمرؓ کے اس اقدام کے حوالے سے لکھتے ہیں:

خلیفہ وقت کو مصالح امت کی خاطر شریعت کی رعایتوں کو سلب کرنے کی یا از خود کوئی تعزیر تجویز کرنے کے اختیارات حاصل ہوتے ہیں، جن کے تحت وہ تعزیری یا عارضی قسم کے قوانین نافذ کر سکتا ہے۔ انھی اختیارات کو بروئے کار لا کر آپؓ نے نہ صرف یک بارگی تین طلاق کے قانون کا نفاذ کیا، بلکہ ایسے طلاق دہندہ کو آپؓ سزا بھی دیتے تھے، انھی اختیارات کی رو سے آپؓ شراب کشید کرنے والی بھٹیوں کو آگ بھی لگا دیا کرتے تھے۔[16]

پیر کرم شاہ صاحب لکھتے ہیں:

حدود کے علاوہ تعزیرات اور سزائیں زمانے کے بدلنے سے بدل جایا کرتی ہیں۔ اگر کسی وقت کوئی مقررہ تعزیر سے بجائے فائدہ کے الٹا نقصان ہو۔ اور مصلحت کی جگہ فساد روپذیر ہونے لگے تو اس وقت اس تعزیر کا بدلنا از حد ضروری ہو جاتا ہے۔[17]

حضرت عمرؓ کا یہ اقدام ان حالات وظروف کے مطابق تعزیری طور پر تھا۔ چنانچہ اب حالات کے تقاضوں کے مطابق اسے

---

14 Ibid, p 286

15 Shibli Noumani, Alfarooq, Lahore, Urdu Bazar, (N-Y), P 332

16 Kilani Abdurrahman, Moulāna, Aik Mejles ki Teen Talāq aur inn ka Shar'i Hel, Lahore Maktaba Dār us Salām , 2006, P 53

17 Tetbēqāte Thalātha ka Mesla, Peer Karam Shah, Dāwat-e- Fikker-o-Nazar, Aik Mejles ki Teen Talāq, Mejmu'ā Muqālat e Ilmiyā, Noumani Kuttab Khāna, Lahore, p 262

بدلا جاسکتا ہے۔ اور حضرت عمرؓ کا یہ فیصلہ کرنا خود اس بات پر شاہد ہے کہ ضرورت وحاجت، عموم بلویٰ کا لحاظ رکھ کر کسی حکم میں تعزیری پر طور پر تبدیلی کی جاسکتی ہے۔

حضرت عمرؓ کے اس فیصلے کو اجماعی فیصلہ قرار دینے کی بابت موقف

شریعت اسلامیہ میں جہاں بہت سے مسائل میں فقہائے کرام وعلما میں اختلاف واقع رہا ہے، وہیں اس مسئلے پر بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ مجلس واحدہ میں دی گئی تین طلاقوں کو تین قرار دینے والے قائلین کی ایک دلیل یہ بھی ہے یہ مسئلہ اجماع سے ثابت ہے۔ بہت سے صحابہ کرامؓ، تابعینؒ و تبع تابعینؒ اور بعد کے ادوار کے محدثین وعلما میں اس حوالے سے اختلاف کا ذکر ملتا ہے۔ لہٰذا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ پہلے اجماع کی تعریف اور اس کے قابل حجت ہونے کا جائزہ لے لیا جائے۔

امام شوکانیؒ نے بہت سے فقہا وعلما کی آرا اجماع کے حجت ہونے کے حوالے سے تفصیلاً نقل کی ہیں، وہ لکھتے ہیں:

إِذَا خَالَفَ أَهْلَ الْإِجْمَاعِ وَاحِدٌ مِنَ ---أَمَّا مِنْ جِهَةِ الِاجْتِهَادِ.(18)

عام اجماع کرنے والوں میں سے صرف ایک مجتہد نے اختلاف کر رکھا ہو تو جمہور اہل علم کہتے ہیں کہ اس صورت میں اجماع منعقد نہیں ہوگا۔ اور نہ ہی یہ حجت ہوگا۔ امام صیرفیؒ فرماتے ہیں کہ تمام لوگوں سے اختلاف کرنے والے اس ایک مجتہد کی بات وموقف کو شاذ بھی نہیں کہا جاسکتا۔ کیونکہ جو مجتہد تمام مجتہدین کے زمرے میں شامل ہونے کے باوجود ان کے اختیار کردہ کسی مؤقف سے اختلاف کرتا ہے تو اس کے خلاف عام مجتہدین کی بات کے ذریعے حجت قائم نہیں کی جاسکتی، کیونکہ اس مجتہد واحد کے متفق ہوئے بغیر عام لوگوں کے اختیار کردہ مؤقف کو اجماع نہیں کہا جاسکتا، از روئے حکایت تو اسے تمام لوگوں کا اجماع کہا جاسکتا ہے، لیکن از روئے اجتہاد نہیں کہا جاسکتا۔

رشدی علیان اپنی کتاب 'الإجماع في الشريعة الإسلامية' میں امام غزالیؒ، ابن جریرؒ، ابو بکر رازیؒ، ابن قدامہؒ اور سیف الدین آمدیؒ کے اقوال درج کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

أن يكون الاتفاق من جميع المجتهدين، فلو اتفق الأكثر على حكم شرعي وخالف الأقل --- ولأن ذلك معارض بدلالة أحاديث عصمة الأمة ككل(19)

اجماع یہ ہے کہ جمیع مجتہدین متفق ہوں۔ اگر کسی حکم شرعی پر اکثر فقہا متفق ہوں اور قلیل اختلاف کریں تو یہ اجماع نہیں ہوگا اور نہ ہی جمہور علما کے نزدیک حجت ہے۔ علما میں بعض کی رائے یہ ہے کہ اکثریت کے اتفاق سے اجماع

---

18 Al-shawkāni, Muhammad Bin Ali Bin Muhammad, Irshād al Fahool Elā Tehqēeq al-Haq Min Ilm al-Usul al Muhaqqeq, Al-Sheikh Ahmad Ezz o Ennāyā, Dmishq, Kuffer Betnā, Dār-al Kitāb al-Arabi, 1999, Vol, 1, p 236

19 Rushdi Eliyān, Al-Ijmā Fi al-Shariat al- Islamiā, Al-Jāmiyāt al-Islamia, 1977, p 45

ثابت ہو جاتا ہے۔ جب کہ بعض کی رائے ہے کہ وہ حجت ہے، لیکن اجماع نہیں ہے۔ یہ دونوں آرا مرجوح ہیں، کیونکہ حق کبھی قلیل گروہ کی طرف بھی ہو سکتا ہے اور کیونکہ اجماع کا اس کی مخالفت کے وجود کے باعث تحقیق نہیں ہو سکتا، کیونکہ (اجماع نام ہے اتفاق کا) اس میں اتفاق کا تحقق نہیں ہے۔ اور یہ عصمت امت کے من حیث الکل ہونے کی دلالت کے متعارض ہے۔

صاحب نورالانوار لکھتے ہیں کہ اجماع کے لیے کل کا اتفاق شرط ہے۔ ایک کا اختلاف بھی اجماع کے انعقاد میں اسی طرح مانع ہو گا جس طرح بہتوں کا اختلاف۔ اس لیے اجماع کے وقت اگر ایک بھی مخالف ہو گا تو اجماع منعقد نہیں ہو گا، کیونکہ امت کا لفظ حدیث 'میری امت گمراہی پر مجتمع نہیں ہو گی' میں کل امت کو شامل ہے۔ پس ہو سکتا ہے کہ صواب (حق) مخالف کی جانب ہو۔[20] شرح الکواکب المنیر کے مصنف، خلفائے راشدین کے اجماع کے حوالے سے لکھتے ہیں:

لو لا قول الخلفاء الاربعة هم أبو بكر وعمر وعثمان و على يكون اجماعا و الا حجة مع مخالفة مجتهد واحد و هذا هو المعتمد عند الاربعة[21]

یعنی چاروں اماموں کا مذہب معتبر یہ ہے کہ خلفائے راشدینؓ کے متفق علیہ اور اجماعی موقف سے اگر کسی ایک بھی مجتہد نے اختلاف رکھا تو خلفائے راشدین کا یہ اتفاق حجت و اجماع نہیں کہا جا سکتا۔

اِس حوالے سے یہ دلیل دینا کہ یہ فیصلہ اجماعی تھا، درست نہیں ہے، کیونکہ یہ دعویٰ کرنا ہی صحیح ہی نہیں ہے کہ حضرت عمرؓ کے حکم پر صحابہ کرامؓ کا اجماع ہو گیا تھا اور اگر یہ اجماع تھا بھی تو یہ اجماع سکوتی تھا، جو مرتبہ میں بہر حال اجماع قولی سے کم ہوتا ہے۔[22] نیز ایک دلیل یہ بھی پیش کی جاتی ہے کہ یہ اجماع سکوتی تھا۔ لہذا اجماع سکوتی کے حجت ہونے کے حوالے فقہائے کرام کے دلائل کا جائزہ لیتے ہیں:

اجماع سکوتی کی حجیت

اس نوع کے اجماع کو اجماع کا نام دینے پر امت کے بڑے بڑے اہل علم کا اختلاف ہے۔ اسی طرح اس کی حجت میں بھی اختلاف ہے۔ اس کے بارے میں اُن کی متعدد آرا ہیں۔ اوّل رائے یہ ہے کہ اجماع ہے اور حجت ہے۔ اکثریت حنفیہ کی یہی رائے ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ، ابو اسحاق الاسفرینیؒ، امام شافعیؒ بھی اسی موقف کے حامل ہیں۔

---

20 Mulla Jeevan, Ahmad Bin Saeed, Noor al- Anwār, Al-Jāmiā al- Islamia, Pakistan, 2009, p, 221

21 Ibn al-Najjar al- Henbli, Taqi al-Din Abu al- Baqā Muhammad Bin Ahmad, Sharh Kawākib al-Muneēr, Al-muheqqeq: Muhammad al-Zuhaylī wa Neziyāh Hamād,Mektabā al- Abēkāan, 1997, Vol, 2, p, 39

22 Tetbēqāte Thalātha ka Mesla, Shamus-Ud- Din Peērzāda, Aik Mejles ki Teen Talāq, p, 81, p, 179

دوسری رائے یہ ہے کہ یہ اجماع نہیں ہے اور نہ ہی حجت ہے۔ امام شافعیؒ اور ان کے متبعین میں اکثریت کی رائے ہے اور اکثر معتزلہ اور مالکیہ بھی اسی کے قائل ہیں۔ تیسری رائے یہ ہے کہ یہ حجت ہے، لیکن اجماع نہیں ہے، اور یہ بعض معتزلہ کی رائے ہے۔[23] اجماع سکوتی کے حوالے سے فقہائے کرام کے ان تمام اقوال و دلائل کو نقل کرنے کے بعد رشدی علیان اپنی رائے اس طرح پیش کرتے ہیں:

والذي ترجح عندي أن ما سمي بالإجماع السكوتي ليس إجماعا،--- فلا يكون حجة والله أعلم[24].

میرے نزدیک راجح رائے یہ ہے کہ جس کو اجماع سکوتی کہا جاتا ہے۔ وہ اجماع نہیں ہے، کیونکہ سکوت، موافقت کے معنی میں صریح نہیں ہے۔ اس لیے یہ اجماع سکوتی نہیں ہو سکتا کہ اس میں موافقت کا عنصر مفقود ہے جو کہ اجماع کی بنیادی شرط ہے۔ امت کے بعض علما کا اتفاق ہے کہ وہ حجت نہیں، کیونکہ خطا سے محفوظ ہونے کی صلاحیت صرف تمام امت کے لیے ثابت ہے نہ کہ بعض کے لیے بس یہ حجت نہیں ہے۔

اجماع کی ان اقسام و قابل حجت ہونے کی شرائط کو ملحوظ رکھیں تو اسے اجماع قرار نہیں دیا جا سکتا، کیونکہ صحابہ کرامؓ و تابعین کرامؒ و تبع تابعین میں ایک کثیر تعداد ایسے افراد کی تھی جو ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقوں کے وقوع کے قائل نہیں تھے۔ اس حوالے سے امام ابن حجرؒ، علامہ عینیؒ، امام شوکانیؒ، امام طحاویؒ کے اقوال موجود ہیں جس میں انھوں نے ان اصحاب کے نام تحریر کیے ہیں جو بیک وقت دی گئی تین طلاقوں کو ایک شمار کرتے تھے۔

امام طحاویؒ حنفی بھی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ صدر اوّل میں تین طلاق ایک طلاق ہی سمجھی جاتی تھی[25] امام ابن حجرؒ 'بَابُ مَنْ جَوَّزَ الطَّلَاقَ الثَّلَاثَ' کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ترجمۃ الباب میں اِس طرف اشارہ ہے کہ سلف میں ایسے لوگ بھی ہیں جو تین طلاقوں کے وقوع کو جائز قرار نہیں دیتے۔[26]

علامہ بدر الدین عینیؒ لکھتے ہیں کہ ابو جعفرؒ فرماتے ہیں ایک قوم نے یہ رائے اختیار کی ہے کہ جب کوئی شخص کسی عورت کو تین بار طلاق دے دے تو اس پر ایک واقع ہوتی ہے۔ اگر وہ سنت وقت میں ہو۔ وہ وقت یہ ہے کہ وہ (عورت) طاہر ہو اور اس میں اس سے جماع نہ کیا ہو، انھوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے۔ انہوں نے کہا: جب اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو حکم دیا کہ وہ

---

23 Al-Ijmā Fi al-Shariat al- Islamiā, Al-Jāmiyāt al-Islamia, p, 75
24 The Above mentioned, p, 76
25 Al-Tahāwī, Abu Ja'far Ahmad Bin Muhammad Bin Salāmā, Ahkāmal-Quran al-Kareem,A Dektoor Saād al-Din, Awnāl, Merkaz al-Bakhth al Islamiā, Ettāb al-Waqf al-Diyānt at-Turkey, Istanbul, 1995, Vol, 1, p 455
26 Fath al-Bārī Sharh Sahīh al-Bukhāri, Vol, 9 p, 362

طلاق دیں اُس وقت میں جو خاص ہے (کسی وصف کے ساتھ) تو اگر انھوں نے طلاق دی اس کے علاوہ میں جس کا انھیں حکم نہیں دیا گیا تو طلاق واقع نہیں ہو گی۔ (27) جب کہ صحابہ کرامؓ تابعین و تبع تابعین اور ہر دور کے محدثین وفقہا میں سے بہت سے افراد اس دلیل کے قائل ہیں کہ ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک ہی سمجھا جائے۔

امام نوویؒ اس بارے میں رقم طراز ہیں کہ امام شافعیؒ، امام مالکؒ، امام ابو حنیفہؒ، امام احمدؒ اور سلف و خلف کے جمہور علما نے کہا کہ تین طلاق واقع ہو جاتی ہیں۔ امام طاؤسؒ اور بعض اہل ظاہرؒ نے کہا کہ صرف ایک واقع ہو گی۔ یہ روایت حجاج ابن ارطاۃؒ اور محمد بن اسحاقؒ سے ہے۔ حجاج بن ارطاۃؒ سے مشہور روایت یہ ہے کہ کچھ بھی واقع نہیں ہو گا اور یہی قول ابن مقاتل کا ہے۔ محمد بن اسحاقؒ سے ایک روایت یہ بھی ہے۔ ان سب نے حدیث سے استدلال کیا ہے۔ (28) علامہ عینیؒ لفظ قوم استعمال کرتے ہیں گویا ایک کثیر تعداد تھی جو اس خیال کی حامل تھی۔ نیل الاوطار میں امام شوکانیؒ نے بھی صحابہ کرامؓ، تابعین و تبع تابعین اور ائمہ دین کے نام درج کیے ہیں جو ایک ہی مجلس میں دی گئی تین طلاقوں کو ایک گردانتے تھے۔ (29)

امام قہستانیؒ اور صاحب مجمع الأنہر کا قول بھی اسی کے مطابق ہے۔ حضرت عمرؓ کے اِس فیصلے کو اجماع قرار دینے کے بارے میں عبدالرحمٰن الجزیری لکھتے ہیں کہ واقعہ یہ ہے کہ اس پر اجماع ثابت نہیں ہے۔ چنانچہ بہت سے مسلمانوں نے اُن کی مخالفت کی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ بلاشبہ مجتہدین میں سے تھے، جن کے اوپر دین کے معاملے میں پورا اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ اور ان کی تقلید کرنا جائز ہے۔ جیسا کہ ہم کہہ چکے ہیں کہ حضرت عمرؓ کی رائے کے معاملے میں اُن کی تقلید کرنا واجب نہیں ہے، کیونکہ آپؓ بھی مجتہد ہی تھے۔ رہا اکثریت کا آپؓ سے اتفاق کرنا تو اس سے آپؓ کی تقلید لازم نہیں آتی۔ ممکن ہے کہ آپؓ نے لوگوں کی تعزیر کی غرض سے اسے نافذ کیا ہو، جب کہ لوگ خلاف سنت طریقے پر طلاق دے رہے تھے۔ سنت یہی ہے کہ عورت کو مختلف اوقات میں طلاق دی جائے۔ جو شخص یک بارگی طلاق دینے کی جرأت کرتا ہے وہ سنت کے خلاف کرتا ہے اور اس کا تقاضا ہے کہ اس کے ساتھ زجر کا معاملہ کیا جائے۔

مختصر یہ کہ جو لوگ کہتے ہیں کہ طلاقیں بلفظ واحد تین واقع نہیں ہوتی ہیں، ان کا کہنا معقولیت پر مبنی ہے، کیونکہ عہدِ رسالت، حضرت ابو بکرؓ کے عہد اور خلافت عمرؓ کے ابتدائی دو برسوں تک ایک ہی طلاق واقع ہوتی تھی۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ

---

27 Aynī, Badr al-Din,Abu Muhammad Mahmūd Bin Ahmad, Nakhb al-Afkār Fi Tenqēkh Mubānī al-Akhbār Fi Sharh Ma'ānī al-Āthār, Al-Muheqqeq: Abu Tamim Yāsir Bin Ibrahim, Wazāret al-Oqāaf Weshuoon al-Islamia, Qatar, 2008, Vol, 11, p,45

28 Nawawi,Abu Zakriya Muhyuddin Yah bin Sharaf,Al Minhaj Sharh Muslim bin Hajaa , Dar Ahya Al Turath, Al Arabi , Bairut,Vol, 10, p, 70, \ Nakhb al-Afkār Fi Tenqēkh Mubānī al-Akhbār Fi Sharh Ma'ānī al-Āthār, Vol, 11, p, 45

29 Shawkānī, Muhammad Bin Ali Bin Muhammad, Neēl al- Outāar, Tehqeeq: Assām ad-Din al-Tbābetī, Dār al-Hadees, Misser, 1993, Vol, 6, p, 276

نے جو اجتہاد کیا اس کی دوسروں نے مخالفت کی۔ لہٰذا مخالفت کرنے والوں کی تقلید بھی اسی طرح درست ہے جس طرح حضرت عمرؓ کی تقلید درست ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فروعی معاملات میں کرید کر یقینی صورت معلوم کرنے کا ہمیں مکلف نہیں بنایا ہے، کیونکہ ایسا کرنا عملاً ممکن نہیں ہے۔[30]

اس دلیل سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اگر بڑے مفسد سے بچنے کے لیے ایک مجتہد کے قول پر عمل کیا جاسکتا ہے تو پھر حالات کی نوعیت و مصالح مرسلہ کا لحاظ رکھتے ہوئے دوسرے مجتہد کے قول پر بھی عمل کرنا، اور اس کی تقلید کرنا درست ہے۔ نیز اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ مجلس واحدہ کی تین طلاقوں کے واقع پر اجماع نہیں ہے۔

یہ امر بھی پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ جو اجماعی فیصلہ کسی خاص زمانہ میں اس وقت کے مخصوص حالات وظروف کی بنیاد پر کیا گیا ہو، علمائے اُصول فقہ کے بیان کے مطابق جب تک وہ زمانہ اور اُس کے وہ حالات باقی رہیں گے اس وقت تک اجماعی فیصلہ واجب العمل ہوگا، لیکن جب وہ حالات بدل جائیں گے تو اب وہ اجماعی فیصلہ واجب العمل نہ رہے گا اور اس کی بجائے نئے حالات اور نئے تقاضوں کی روشنی میں کوئی دوسرا فیصلہ کرنا ہوگا۔[31]

طلاق ثلاثہ کا وقوع اور عصری عرف وعادت

حضرت عمرؓ نے جو ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقوں کو تین قرار دیا اس کی وجہ مردوں کی غیر محتاط روش تھی جو وہ طلاق کے سلسلے میں اپنائے ہوئے تھے۔ نیز اس دور میں عورت کو طلاق کے باعث کوئی عار یا دشواری لاحق نہیں ہوتی تھی۔ اور یہ سزا مردوں کے لیے بطور تعزیر تھی، لیکن فی زمانہ عرف کی تبدیلی سے طلاق کی صورت میں عورت اور بچے بہت بری طرح متأثر ہوتے ہیں، انھیں نا قابل تلافی نقصان برداشت کرنا پڑتا ہے۔ مثلاً:

۱۔ عورت کا عقد ثانی ہونا انتہائی مشکل ہوتا ہے۔

۲۔ معاشرے میں مطلقہ عورت ہی کو عموماً طلاق کا ذمہ دار سمجھا جاتا ہے۔

۳۔ مطلقہ عورت کو کفالت، نان ونفقہ اور سکونت کے مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

۴۔ عورت کو تنہا اپنے بچوں کی تربیت کی ذمہ داری برداشت کرنا پڑتی ہے۔

۵۔ نفسیاتی، جذباتی لحاظ سے عورت مزید پریشان حال ہوگی اور ایسے میں بچوں کی تربیت صحیح خطوط پر کرنا اس کے لیے انتہائی دشوار ہوتا ہے۔

---

30 Al-Juzairī Abdul Rahman, Al-Fiq Alel Madhāab al- Arbāa, Ulema Academy, Sh'uba Metbuāat,Mehkma Ouqaāf Punjab, Vol, 1, p, 304

31 Tetbēqāte Thalātha ka Mesla, Shamus-ud-Din Peērzāda, Aik Mejles ki Teen Talāq, p, 81

۶۔ والدین یا بہن بھائیوں پر مطلقہ خاتون ایک بوجھ تصور ہوتی ہے۔

۷۔ معاشرے میں بے حیائی اور برائی پھیلتی ہے۔

۸۔ بچوں کو والدین میں تفریق کا غم سہنا پڑتا ہے۔

۹۔ بچے نفسیاتی، جذباتی، اخلاقی لحاظ سے مسائل کا شکار ہوتے ہیں، جن سے اُن کی شخصیت بری طرح متاثر ہوتی ہے۔

علامہ شامیؒ نے اپنی کتاب 'نشر الحرف فی بناء بعض الاحکام علی العرف' میں ان مسائل کا تفصیلی ذکر کیا ہے جن میں عرف و مصلحت کو مدار بنا کر زمانے کے تقاضوں کو مدنظر رکھ کر حکم کو بدلا گیا ہے۔ چنانچہ ہم طلاق کے اثرات اور معاشرے میں اس سے پیدا ہونے والے مفاسد پر غور کریں اور عوام الناس کے مصالح، مفاد اور عصری ضرورت کو ملحوظ رکھ کر صورت حال کو بہتر بنانے اور مسائل کے حل کے لیے اقدامات کی جانب توجہ کریں۔ لہٰذا طلاق ثلاثہ کا یہ مسئلہ علمائے کرام اور فقہا و مفتیان عظام کی خصوصی اور سنجیدہ توجہ کا متقاضی ہے۔

سید سلمان الحسینی ندوی لکھتے ہیں کہ آج مرد کے طلاق ثلاثہ کے گناہ کا زیادہ تر بھگتان عورت کو ہی بھگتنا پڑتا ہے۔ عورت جہیز لاتی ہے، گھر بسانے کا ذریعہ ہے، تقریبِ نکاح کے موقع پر اس کے یہاں ولیمہ کی طرح دعوت ہوتی ہے۔ مرد سب کچھ حاصل کرتا ہے، مہر بھی معاف کروالیتا ہے۔ ایک ولیمہ پر لذت کوشی کرتا ہے پھر غصے اور اشتعال میں تین طلاق دے کر الگ ہو جاتا ہے اور دوسری شادی رچالیتا ہے۔ عورت مطلقہ ہو جاتی ہے، شادی کی نہ خود ہمت کرتی ہے اور نہ ہی معاشرہ اس کی شادی کا فوری انتظام کرتا ہے۔ اگر اس کے بچے ہیں تو شادی کا مسئلہ تقریباً ناممکن ہے۔ اس کے بچوں کا مستقبل داؤ پر لگ جاتا ہے۔۔۔ ایسی شکل میں علماء اور اہل افتاء و قضا کو سوچنا چاہیے کہ عرف، عموم بلویٰ، ضرورت، اضطرار، حاجت، رفع حرج، تیسیر اور رخصت کے ترازو میں تول کر اس کا مسئلہ حل کریں اور ایک نزاعی مسئلے جس میں صحابہ کرامؓ، تابعین عظامؒ اور بعد کے علمائے امت کے درمیان اختلاف رہا ہے اور جو کفر و ایمان کا مسئلہ نہیں ہے، ایک ہی پہلو پر شدت کا مظاہرہ نہ کریں۔۔۔ لیکن کسی اختلافی مسئلہ کو امت میں تفریق اور گروہ بندی کا ذریعہ نہ بنایا جائے۔[32]

مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی لکھتے ہیں:

> شریعت نے عرف کا بڑا لحاظ رکھا ہے۔ عرف بدلنے سے مسئلے کی نوعیت بدل جاتی ہے۔ تو کیا اس عرفِ عام اور لاعلمی کا لحاظ رکھتے ہوئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھے یہ معلوم نہ تھا کہ تین سے کم طلاق واقع ہوتی ہیں اور وہ دونوں میاں بیوی حسب سابق یک جا رہنا چاہتے ہیں تو کیا

[32] Nadvi, Sayed Sulaiman al- Hussaini, Mahnāma As-Shariah, Gujranwala, Shumara :33, 2005, p, 41

ایک طلاق واقع ہونے کا فتویٰ دیا جاسکتا ہے اور اس میں رجوع کی گنجائش ہے؟اہل علم اور صاحب فتویٰ سے درخواست ہے کہ وہ ابتلائے عام کو دیکھتے ہوئے اس مسئلے پر غور فرمائیں۔

دلیل کے طور پر ہمارے سامنے ابتلائے عام، لوگوں کی لاعلمی اور یہ سمجھنا ہے کہ طلاقیں ہوتی ہی تین ہیں۔ لوگوں کو ایک بڑے گناہ سے بچانے کے لیے اس صورت پر غور کیا جاسکتا ہے۔[33]

معاصر تناظر میں دیکھا جائے تو کئی پہلوؤں سے اس نوعیت کی قانون سازی ضروری معلوم ہوتی ہے۔ شوہر وقتی جذباتی کیفیت میں طلاق دے بیٹھے یا شعوری طور پر طلاق دینے کا فیصلہ کرے، عمومی طور پر اس کے مضر نتائج واثرات عورت اور بچوں ہی کو بھگتنا پڑتے ہیں۔ چنانچہ عورت اور بچوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے ضروری ہے کہ خاوند کے حق طلاق کے نافذ اور مؤثر ہونے کو بعض قانونی پابندیوں کے ساتھ مقید کیا جائے۔[34]

اِس تناظر میں اگر سرسری طور پر بھی جائزہ لیا جائے تو ہر ذی شعور اس حقیقت کا ادارک کرے گا کہ پاکستانی معاشرے میں بیک وقت کی تین طلاقوں کو تین سمجھنے سے بہت سی مصالح ضائع ہو جاتے ہیں اور بہت سے مفاسد جنم لیتے ہیں، جن سے خاندانی نظام اپنے وظائف بہر طور ادا نہیں کرسکتا اور تعمیر کی بجائے تخریب کو فروغ ملتا ہے۔

مفاسد کی بجائے مصالح کو ترجیح

رسول اللہ ﷺ کے سامنے جب دو باتوں میں سے کسی ایک کا اختیار دیا جاتا تو جب تک کسی گناہ کا اندیشہ نہ ہوتا آپ ﷺ آسان کو اختیار فرماتے۔[35] فقہائے کرام نے اسی حدیث کی روشنی میں کچھ قواعد فقہیہ وضع فرمائے ہیں جو درج ذیل ہیں:

۱۔ اذا تعارض مفسدتان روعی اعظمهما ضررا بارتكاب أخفهما[36] جب دو مفسدے ہوں تو اس مفسدے کو اختیار کیا جائے جو ہلکا ہو۔

۲۔ الضرار الاشد يزال بالضرر الاخف۔[37] زیادہ شدید ضرر کو خفیف ضرر سے دور کیا جائے۔

۳۔ الضرورات تبيح المحظورات[38] ضروریات ممنوعات کو مباح کر دیتی ہیں۔

---

33 Mahnāma As-Shariah, Gujranawala,February, 2013, Vol, 24, Shumara: 2
34 Mahnāma As-Shariah, Muhammad Ammar Khan Nasir, February, 2013, vol, 24, Shumara 2
35 Al-Jami al-Sahih lil Bukhari, Kitāb al-Munāqib,Bāab Sift al-Nabi, Hadith :3560
36 Al-Jannat Makunat Min Iddat al-Ulema wa Fuqha Fil Khlāfet al- Uthmāiya,Mujillāt al-Akhm al- Adliyā, Karātishī, Noor Muhammad Karkhana, Tijaaret Kutteb , Araam Baagh, p , 28
37 Ibid, p, 27
38 Ibid, p, 21

یعنی اگر مجلس واحدہ کی تین طلاقوں کو تین ہی تسلیم کرنے پر اصرار ہے تب بھی یہ دیکھا جائے کہ آج اس کے اثرات اور مفاسد کس قدر ہیں، دن بدن بڑھتے ہوئے خاندانی نظام کے انتشار، تیزی سے پروان چڑھتی برائی اور پامال ہوتے ہوئے حقوق کو مد نظر رکھتے ہوئے حالات کی بہتری کے لیے ان قواعد پر عمل کیا جائے۔ مصالح عامہ اور عرف کا لحاظ رکھتے ہوئے شرعی احکام کی تبدیلی متفق علیہ مسئلہ ہے۔ لہٰذا طلاق ثلاثہ کے مسئلہ میں بھی ان قواعد فقہیہ کو اختیار کر کے مطلقہ خواتین اور ان کے بچوں کے لیے یسر (سہولت) فراہم کیا جا سکتا ہے۔

امام نظام الدینؒ نیشاپوری لکھتے ہیں کہ کسی چیز سے منع کرنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ چیز کسی بڑے مفسدے اور خرابی پر مشتمل ہے اور بیک وقت تین طلاقوں کو تین شمار کر لینا اس مفسدے اور خرابی کو وجود میں لانے کا باعث ہے۔[39] امام رازیؒ لکھتے ہیں کہ یہ قول بہت سے علمائے دین کا ہے کہ اگر مرد نے دو یا تین طلاقیں دی ہیں تو وہ ایک ہی واقع ہو گی۔ یہی بات زیادہ قرین قیاس ہے، کیونکہ کسی چیز کی ممانعت اِس بات پر کہ ممنوعہ چیز بڑے مفسدہ پر مشتمل ہے، لہٰذا تطلیقات ثلاثہ کے واقع ہونے کا قول اس مفسدہ کو وجود میں لانے کے مترادف ہے جو جائز نہیں ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ عدم وقوع کا حکم لگایا جائے۔[40]

مولانا اشرف علی تھانویؒ نے 'حیلہ ناجزہ' میں بھی حالات کی سنگینی کا ادراک کرتے ہوئے احکام تحریر کیے ہیں۔ ضرورت اور مصلحت کو مدار بنا کر احکام میں جتنی رعایت فقہ حنفی میں دی گئی ہے، شاید کسی اور فقہ میں اس کی نظیر پیش کرنا ناممکن نہ سہی لیکن مشکل ضرور ہو۔ صاحبین نے بھی بہت سے مسائل میں امام ابو حنیفہؒ سے اختلاف کیا ہے۔ حدود کے علاوہ تعزیرات اور سزائیں زمانے کے بدلنے سے بدل جایا کرتی ہیں۔ اگر کسی وقت کوئی مقررہ تعزیر سے بجائے فائدہ کے الٹا نقصان ہو اور مصلحت کی جگہ فساد رو پذیر ہونے لگے تو اس وقت اس تعزیر کا بدلنا از حد ضروری ہو جاتا ہے۔[41] حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس تعزیر کو آج باقی رکھنے سے جو مفاسد اسلامی معاشرے میں رونما ہو رہے ہیں، کون سی آنکھ ہے جو اشکبار نہیں اور کون سا دل ہے جو دردمند نہیں۔[42]

مولانا تقی امینیؒ نے ضرورت و مصلحت کو مدار بنانے پر بڑی مفصل اور مدلل بحث کی ہے، وہ تحریر کرتے ہیں:

---

39 Neesha Puri, Nizāmuddin, Ghraāb al- Quran wa Raghaib al-Furqan Al-ma'ruf by Tefseēr Neesha Puri, Al-Muhaqqeq: Al-Sheikh Zikkriya Umairāt, Al-Naāsher: Dār al-Kuttab al-Ilmiyā- Beirut,1416, Vol. 1. P, 630

40 Razī,Abu Abdullah Muhammad Bin Umer, Mafatēh al-Ghaiyb, Dār Ahyā al-Turath al-Arabi, Beirut, 1420, Vol, 6, p, 442

41 Tetbēqāte Thalātha ka Mesla, Aik Mejles ki Teen Talāq‹ Mejmu'ā Muqālat e Ilmiya, p, 242

42 The Above Mentioned referance

اِس سلسلے میں نزولِ قرآن کے اُسلوب سے استدلال کیا جاسکتا ہے، قرآن کریم کا نزول دفعتاً نہیں ہوا، بلکہ تیئس سال کے عرصے میں حسب ضرورت و مصلحت بتدریج نازل ہوا ہے۔ یعنی جیسی جیسی ضرورتیں پیش آئیں اور جس طرح کے مصالح کی رعایت ناگزیر ہوئی، اُن کی مناسب سے احکام کا نزول ہوتا رہا، اس طریق نزول سے ایک حالات و زمانہ کی رعایت کا ثبوت ملتا ہے تو دوسری طرف انسانی زندگی اور قانون کے باہمی ربط کی اہمیت بھی واضح ہوتی ہے۔[43]

اِس تعزیری سزایا اجتہاد کے اثرات کا عصری تناظر میں جائزہ لیا جائے تاکہ مفسدہ کو روکنے لیے لائحہ عمل ترتیب دیا جاسکے۔ جب کہ فقہی مسائل میں فروعی و جزوی اختلاف کوئی مانع شئے نہیں، لیکن اِن اختلافات پر اس حد تک قائل ہو جانا کہ جس سے تعصب و تنگ نظری، فرقہ بندی کو فروغ ہو جائے اور ذریت آدم کے لیے یسر کی بجائے عسر ہو۔ مفاسد کی روک تھام، مصالح کے فروغ، افراد امت کے لیے خیر، آسانی، مفاد عامہ، مصلحت و حکمت کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہمیں فقہی اختلافات کو پس پشت ڈال کر قانون سازی کرنی چاہیے۔

طلاق ثلاثہ کا وقوع اور سد الذرائع

سد الذرائع ثانونی مصادر شرعیہ میں سے ہے۔ مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں یہ اُصول تسلیم شدہ اور قابل عمل ہے، احناف اور شوافع اگرچہ اسے مصدر شرعی تو نہیں مانتے، لیکن اس سے استفادہ کے نظائر ان کے مذاہب فقہ میں موجود ہیں، جب کہ بعض اکابرین نے اس اصطلاح کا استعمال بھی کیا ہے۔ سد ذریعہ سے مراد ہر اُس جائز اور مباح فعل سے رکنا ہے جس سے کسی حرام یا ناجائز کام کے وقوع ہونے کا قوی اندیشہ ہو۔[44] یہ اُصول حقیقت میں مصالح کے اصول کی توثیق کرتا ہے، کیونکہ یہ اصول در حقیقت اُن اسباب و وسائل کو اختیار کرنے سے منع کرتا ہے جو مفاسد کی طرف لے جاتے ہیں، جب کہ مصلحت ہی کا تقاضا ہوتا ہے کہ 'درء المفاسد' (نقصانات اور خرابیوں کے ازالہ) کی صورت پیدا کی جائے۔ لہٰذا یہ اصول 'سد ذریعہ' حقیقت میں اصول مصلحت کا تتمہ و تکملہ ہے۔(45) پس اگر طلاق ثلاثہ سے اکھٹی تین طلاقیں واقع ہونے کو جائز بھی مانا جائے تب بھی سد الذرائع کے طور پر تین کی بجائے ایک طلاق مراد لی جائے، کیونکہ تین مراد لینے سے بہت سے کبائر و منکرات کے پھیلانے کا قوی امکان ہے۔ جیسے:

---

43 Taqi Ameeni, ,Moulana, Ahkām e Shariah Mein Halāat o Zamana ki Riyāat, Al-Faisal Nashraān o Tajrāan Kuttab, Urdu Bazar ;Lahore, 2013, p, 26

44 : Ibn e Arabi, Muhammad Bin Abdullah, Ahkām al- Quran, Dār al- Ma'rifa 0Beirut, Vol, 2, p, 748

45 Abdul Kareem Zaidān, Al-Wajēez Fi Usul al-Fiq, Farān Academy, Lahore(N-Y) P, 250

1۔ یہ عمل طریق سنت کے موافق نہیں، بلکہ بدعت ہے۔

2۔ یک جنبش لب اپنے گھر کو برباد کر دینے والا عمل ہے اور شریعت کی عطا کردہ احکام کی پابندی سے اس کی حکمت واسرار سمجھے بغیر ایک ناقابل تلافی فعل کا ارتکاب کر بیٹھتا ہے۔

3۔ بعض اوقات مطلقہ کا نہ ہی کوئی آسرا ہوتا ہے اور نہ ہی وہ عقد ثانی کی کوئی سبیل، لہٰذا عورت برائی کے راستے کی جانب چل پڑتی ہے۔

4۔ بعض اوقات اختیاری طور پر حلالہ کیا جاتا ہے تاکہ دوبارہ رجوع ممکن ہوسکے جو فی نفسہ انتہائی قبیح فعل ہے۔ یوں یہ افراد بلکہ ان خاندان والے بھی اللہ کی لعنت کے مستحق قرار پاتے ہیں۔[46]

اب حالات دن بدن بدتر ہوتے جا رہے ہیں، جب بعض طبعیتیں اِس غیر اسلامی اور غیر انسانی حل کو قبول نہیں کرتیں اور اپنے گوشہ عافیت کی ویرانی بھی اُن سے نہیں دیکھی جاتی تو وہ حیران اور سراسیمہ ہو کر ہر دروازہ کھٹکھٹاتے ہیں، اس وقت باطل اور گمراہ فرقے اپنا آہنی پنجہ ان کی طرف بڑھاتے ہیں اور انھیں اپنے دامن تزدیر میں پھنسا لیتے ہیں، اس کی بیوی تو اسے مل جاتی ہے، لیکن دولت ایمان لٹ جاتی ہے۔[47]

فواحش و منکرات کی روک تھام، دولت ایمانی کی حفاظت واستقامت کے لیے ضروری ہے کہ حالات کی سنگینی کا اندازہ لگایا جائے، امت پر رحمت وتوسع کی صورت نکالی جائے اور انھیں اسی طرح کے مصائب وآزمائشوں سے نکالا جائے کہ جس میں ان کا سرمایہ ایمان بھی داؤ پر لگ جائے۔ ایسا تبھی ممکن ہے کہ جب سد الذرائع کا اصول اختیار کرتے ہوئے ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک تصور کیا جائے گا۔

طلاق ثلاثہ کی صورت میں اُصول تلفیق پر عمل

اصول تلفیق میں ایک فقہی مذہب کو ماننے والا ضرورت شدیدہ یا کسی خاص مصالح کی بنا پر کسی دوسرے فقہی مذہب کی پیروی کرتا ہے۔ طلاق ثلاثہ کے مسئلہ میں بھی حنفی مذہب کا متبع کسی دوسرے فقہی مذہب کی رائے کو اختیار کر سکتا ہے، کیونکہ اس میں عوام الناس کی مصلحت اور مفاد کو ترجیح حاصل ہوتی ہے۔ مولانا عبدالحلیم حنفی بھی اس نقطہ نظر کے حامل ہیں کہ مجلس واحدہ میں دی گئی تین طلاقوں کو ایک ہی شمار کیا جانا چاہیے۔[48] پیر کرمؒ شاہ صاحب کی رائے بھی اسی کے موافق ہے جو پہلے ذکر

---

46 Al-Tirmidhi, Abu Īsā Muhammad Bin Īsā, Imam , Jāmiā Tirmidhi,Dār al-Gharb al-Islami, Beirut, 1998, Hadith, 1119

47 Tetbēqāte Thalātha ka Mesla, Peer Karam Shah, Dāwat-e- Fikker-o-Nazar, P,243

48 Aik Mejles ki Teen Talāq,Ulmāy e Ahnāaf ki Nazar Mein,Multan, Dār al-Hadees Muhammadiyā, (N-Y) , P, 06

کر دی گئی ہے کہ اس مسئلہ میں غور وفکر کیا جائے۔ مولانا عبدالحیٔ فرنگی محلی 0 نے ضرورت شدیدہ کے وقت تین طلاق کے وقوع کو ایک گردانا ہے۔

مولانا عبدالحیٔ فرنگی محلی کا فتویٰ

اس صورت میں حنفیہ کے مطابق تین طلاق ہوگی اور بغیر تحلیل نکاح درست نہیں ہوگا۔ مگر بوقت ضرورت اس عورت کا علاحدہ ہونا اس سے دشوار ہو تو کسی اور امام کی تقلید کرے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ نیز اس کی مثال نکاح زوج مفقود الخبر میں موجود ہے۔ حنفیہ عند الضرورت قول امام مالکؒ پر عمل کر لینے کو درست خیال کرتے ہیں۔ جیسا کہ رد المحتار میں تفصیل سے موجود ہے۔[49]

فقہائے احناف ضرورت شدیدہ میں کسی دوسرے امام کی رائے پر عمل کر لینے کو جائز تصور کرتے ہیں جیسا کہ مفقود الخبر شوہر کے مسئلہ میں ہے۔ امام شامیؒ امام قہستانی کا قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اگر کوئی امام مالکؒ کے قول پر فتویٰ دے ضرورت کے وقت تو اس میں کوئی حرج نہیں۔[50] امام شامی نقل کرتے ہیں کہ مدۃ الطہر کے مسئلہ میں امام مالکؒ کے ہاں نو ماہ عدت ہے، اور فتاویٰ بزازیہ کے مطابق اس زمانے میں امام مالکؒ کے قول پر عمل تھا۔[51]

شریعت نے زوجین کے مابین نباہ نہ ہونے کی صورت میں رشتہ نکاح کو توڑنے کی اجازت دی ہے۔ شریعت کی نظر میں اس رشتے کی جو اہمیت ہے وہ یہ تقاضا کرتی ہے کہ اس کو ختم کرنے کا معاملہ پورے غور وخوض کے بعد اور تمام ممکنہ پہلوؤں اور نتائج کو سامنے رکھ کر ہی انجام دیا جائے۔ چنانچہ اگر کوئی شخص نادانی، جذباتی کیفیت، مجبوری یا کسی بدنیتی کی بنیاد پر طلاق دے دے تو رشتہ نکاح کے تقدس کے پیش نظر یہ مناسب ہے، بلکہ بعض صورتوں میں ضروری ہوگا کہ اسے غیر مؤثر قرار دیا جائے یا اس پر عدالتی نظر ثانی کی گنجائش باقی رکھی جائے۔[52]

کسی بھی صورت حال میں دی گئی طلاق کو خاوند کے دائرہ اختیار کی حد تک مؤثر مان لیا جائے تو بھی اس سے عدالت کے نظر ثانی کے حق کی نفی لازم نہیں آتی۔ قاضی کو ولایت عامہ کے تحت جس طرح تمام دوسرے معاملات میں فریقین کے مابین طے پانے والے کسی معاہدہ یا کسی صاحب حق کے اپنے اختیارات کو استعمال کرنے پر نظر ثانی کا اختیار حاصل ہے، اسی طرح طلاق کے

---

49 Abdul Hayē Frungī Muhel, Moulanā, Ftāwa Moulanā Abdul Hayē, 347

50 Ibn 'Abidin,,Muhammad Ameen, Radd al-Muhtār Aalim ul Kutab, Radd al-Muhtār, Vol, 3,p, 362

51 Ibid

52 Muhammad Abdullah, Doctor, Abdul Ghafaar, Asr-e-Hazer Ki Ijtihaadi Kawishoun Mein Maqased e Shari'at Ki Riyaāt, (sheshmahi) Hazara Islamic,Hazara University, Jan, 2014, Vol, 3, Shumara, 01, p, 38

معاملے میں بھی حاصل ہونا چاہیے۔ اور اگر وہ قانون وانصاف اور مصلحت کے زاویے سے کسی طلاق کو کالعدم قرار دینا چاہے تو نصوص یا عقل وقیاس میں کوئی چیز اس کے خلاف نہیں پائی جاتی۔ اس سلسلے میں مؤثر قانون سازی کی ضرورت ہے، اس لیے کہ موجودہ دور میں بھی طلاق ثلاثہ کے معاملات ایک کھیل تماشا بنے ہوئے ہیں۔ مختلف فقہی آرا کی وجہ سے عام طور پر لوگ طلاق کے معاملات میں اپنے مذہب کو چھوڑتے ہوئے دوسرے مذہب کی رائے پر عمل کرتے ہیں، اس طرح رجوع کے باوجود دل میں ایک کسک سی موجود رہتی ہے۔ لہٰذا موثر حکمت عملی کی ضرورت ہے۔[53]

طلاق ثلاثہ اور پاکستانی معاشرتی صورتحال

انسانی معاشرہ خصوصاً اسلامی معاشرہ میں خلع یا طلاق کو کسی صورت بھی مناسب تصور نہیں کیا جاتا، لیکن بعض اوقات خاندانی زندگی میں ایسے حالات پیدا ہو جاتے ہیں کہ مرد اور عورت کا ایک چھت تلے اکٹھے رہنا محال ہو جاتا ہے، جن کی وجوہات کا مکمل احاطہ تو شاید ممکن نہ ہو، پاکستانی معاشرے میں شرح طلاق میں افسوس ناک حد تک اضافہ ہوا ہے اور معاشرتی ناسور کی حیثیت اختیار کر چکی ہے۔ لفظ طلاق جو ایک دو دہائی قبل ایک ناقابل قبول لفظ تصور کیا جاتا تھا اب روزمرہ کا معمول بنتا جا رہا ہے۔ اس لفظ کے تلخ وار سے کتنے ہی افراد گھائل ہوتے ہیں اور کتنے ہی خاندان اس کی شدت کے باعث بکھر جاتے ہیں۔

ہماری عدالتوں کا یہ حال ہے کہ ججز سر پیٹ رہے ہیں کہ خلع اور طلاق کے علاوہ اور کوئی کیس ہی نہیں ہے۔ کہیں روتے پیٹے بچے ماں سے چھین کر باپ کو دیئے جاتے ہیں اور کہیں بچوں کو باپ کے سایۂ شفقت سے محروم کر کے ماں کے سپرد کر دیا جاتا ہے۔ عدالتوں میں ایسے دردناک مناظر دیکھنے کو ملتے ہیں کہ دل بے اختیار بھر آتا ہے اور آنکھیں اشک بار ہو جاتی ہیں۔[54]

پاکستانی معاشرے میں بڑھتے ہوئے خاندانی انتشار کے جہاں بہت سے اسباب ہیں، وہیں مجلس واحدہ میں دی جانے والی یکبارگی کی تین طلاقوں کو تین قرار دینے سے بھی بہت سے مسائل پیدا ہوتے ہیں، لیکن حیف اس پر ہے کہ ہمارے معاشرے میں ان سے سب سے زیادہ متاثرہ ایک عورت ہی ہوتی ہے۔ نیز یہ خمیازہ اسے تمام عمر بھگتنا پڑتا ہے۔ ناکردہ جرم کی سزا تمام عمر برداشت کرتی ہے۔ ایسی صورت میں اگر وہ صاحب اولاد ہے تو اس کی سزا کئی گنا زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ پاکستانی معاشرے میں مطلقہ عورت کی، اس کے خاندان اور بچوں کے حالات کو مدنظر رکھا جائے تو ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس حوالے ضرور عصری تقاضوں اور ضروریات کو ملحوظ رکھ کر قانون سازی کی جائے، جس میں ان مجبور و بے بس خواتین کی زخم خوردہ حالت کا کچھ نہ کچھ مداوا ضرور ہو۔

مسعود احمد بھٹہ ایڈوکیٹ لکھتے ہیں کہ طلاق مرد کے ہاتھ میں ہے اور وہ اگر جہالت کی کسی بھی صورت (عیاشی، غصہ،

---

53 The Above mentioned, p, 39
54 Mahnāma Al-Saffāt, Lahore, Dec, 2015

معاشرتی اور معاشی مجبوری) کا شکار ہو کر تین طلاقیں دے تو مرد کی غلطی کا شکار عورت یا اس کی اولاد کو نہیں ہونا چاہیے۔ لہٰذا تمام معاملات کو قرآن کے اصلاحی نظریہ کے آئینہ میں دیکھ کر مرد کے فعل مکروہ یا جبر سے عورت اور خاندان کو بچانا زیادہ ضروری ہو جاتا ہے، کیونکہ مطلقہ عورت اور طلاق یافتہ عورت کے بچے مرد کے غصہ اور جبر یا عورت کی انا پرستی کے نتیجے میں معاشرتی مقام کھونے کے ساتھ ساتھ نفسیاتی الجھنوں کا شکار بھی ہو جاتے ہیں۔

اسلامی معاشرے کا تقاضا ہے کہ طلاق ثلاثہ کا شکار مطلقہ، جنھیں اصلاح کا موقع میسر نہ آسکا ہو، انھیں کردہ اور ناکردہ کی سزا سے محفوظ رکھا جائے، کیونکہ ہمارے معاشرے میں مطلقہ عورت کی مظلومیت اس وقت سزاواری کا موجب بن جاتی ہے، جب یہ عورتیں عرب معاشرے کے برعکس پاک وہند معاشرے میں نکاح ثانی کے لیے مناسب پذیرائی سے محروم رہتی ہیں اور اس طرح یہ فعل خاندانی بربادی کا موجب بن جاتا ہے۔[55]

پاکستانی معاشرے میں طلاق کی بڑھتی ہوئی شرح تمام ارباب دانش وبینا کے لیے لمحہ فکریہ ہے۔ اس لیے ہر کس وناکس مقدور بھر حالات کی بہتری کے لیے کوشاں ہے، تاکہ خاندانی نظام کے بکھرتے ہوئے شیرازہ کو مزید پامال ہونے سے بچایا جاسکے۔ پاکستان میں اسلامی نظریاتی کونسل ایک ایسا ادارہ ہے جو ملک میں بنائے جانے والے قوانین کو اسلامی شریعت کے مطابق ڈھالنے اور شریعت کے مزاج کے مطابق قانون سازی کے حوالے سے سفارشات مرتب کرتی ہے۔ اس آئینی ادارہ نے بھی بیک وقت دی گئی تین طلاقوں کے اقدام کی حوصلہ شکنی کی ہے اور اسے ایک قابل تعزیر جرم قرار دینے کی سفارش کی ہے۔

اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارش

اسلامی نظریاتی کونسل کے سابق چیئرمین مولانا محمد خان شیرانی اپنی سفارشات میں کہتے ہیں:

> بیک وقت اکھٹی تین طلاقیں دینا غیر اسلامی اور شریعت کے منافی ہے اور ایک خاوند کی جانب سے بیک وقت بیوی کو تین طلاقیں دینے کو قابل تعزیر سمجھا جائے گا۔ شریعت میں طے شدہ طریق کار کے مطابق ایک خاوند اپنی بیوی کو ایک وقت میں ایک ہی طلاق دے سکتا ہے۔ ایک طلاق کے بعد خاوند کو اپنی بیوی سے رجوع کا حق حاصل ہے، دوسری طلاق کے بعد وہ دونوں میاں بیوی نکاح کے بعد اکٹھے رہ سکتے ہیں، لیکن تیسری طلاق کے بعد وہ کسی صورت اکٹھے نہیں رہ سکتے۔ اس صورت میں اب وہ عورت اپنے سابقہ خاوند سے براہ راست نکاح نہیں کرسکتی ہے۔ پہلے اس کا کسی مرد سے نکاح ہوگا، وہ اگر اس کو طلاق دے دیتا ہے تو پھر وہ اپنے خاوند کے عقد میں آسکے گی۔ شریعت میں اس عمل کو حلالہ کہتے ہیں۔

---

55 Masud Ahmad Bhutta.Mian,Hayāt Al- Nisā, (Aurat Ki Zindgi Mnakhāt k bāad), Lahore,Aahin Idāra Ashāat o Tehqēeq,Pakistan, 2010, p, 644

اپنی ان سفارشات میں مولانا شیرانی نے تین طلاقیں دینے والے خاوند کے لیے اسلامی نظریاتی کونسل کی جانب سے قید یا جرمانے کی صورت میں کوئی سزا تجویز نہیں کی ہے، بلکہ اس کو متعلقہ عدالتوں پر چھوڑ دیا ہے وہ جو چاہیں سزا دے سکتی ہیں۔ (56)

اسلامی نظریاتی کونسل کی یہ سفارشات ہماری معاشرتی صورتحال کے لحاظ سے انتہائی اہم ہیں اور ان پر عمل درآمد کو یقینی بنانے کے لیے قانون سازی مؤثر انداز میں کی جانی ضروری ہے، جس سے مفسدے اور ضرر سے کافی حد تک بچا جاسکے گا۔ عمار خان ناصر ہماری معاشرتی صورت حال میں طلاق ثلاثہ کے پہلو پر معاشرتی ضروریات کو مد نظر رکھ کر قانون سازی کرنے کی جانب ان الفاظ میں توجہ دلاتے ہیں:

> ایک ایسا معاشرہ جہاں لوگوں کی اکثریت طلاق کے شرعی طریقے اور اس کی حکمتوں سے ناواقف ہو، جہاں معاشرتی اور معاشی مشکلات و مسائل نے لوگوں سے صبر و تحمل چھین کر انھیں ذہنی تناؤ کا مریض بنا دیا ہو، جہاں مطلقہ عورت کے لیے باعزت زندگی گزارنی یا عقد ثانی کرنا بے حد مشکل ہو اور طلاق مرد کی بجائے حقیقت میں عورت کے لیے سزا قرار پائے، کیا ایسے معاشرے میں ایک مجلس کی تین طلاقوں کو لازماً نافذ قرار دینا حکمت و مصلحت پر مبنی شریعت کا منشا ہو گا اور کیا اس سے اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود کو پامال کرنے کی سزا فی الواقع اس کے اصل مجرم یعنی شوہر ہی کو ملے گی؟ (57)

فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ تین طلاقوں سے ایک طلاق لینے کے عہد نبوی اور عہد صدیقی کے معمول پر گامزن رہے، مگر بعد ازاں طلاق کی کثرت کے پیش نظر تین طلاقوں سے تین مراد لینے کا حکم بطور تعزیر نافذ کیا۔ ان کا یہ حکم عین قرین مصلحت، بناءِ حکمت اور مفسدہ کے خاتمے لیے سد ذریعہ کی بنیاد پر تھا، تاکہ لوگ طلاق کو مذاق نہ بنالیں اور سنجیدہ رویہ اختیار کریں۔ یہ گویا مردوں کو سزا دی گئی تھی، کیونکہ عہد فاروقی میں ریاست مدینہ مکمل طور پر ایک فلاحی مملکت بن چکی تھی، عربوں کے عرف اور فلاحی ریاست کی موجودگی میں مطلقہ، یا بیوہ عورت کو بچوں کی پرورش و نان و نفقہ کی فراہمی کے مسائل کا سامنا مردوں کی نسبت کافی کم تھا، سرکاری سطح پر ان کو امداد و تعاون میسر تھا، مگر عرف کی تبدیلی کے ساتھ آج یہ تمام سزا عورت، اس کے خاندان اور بچوں کو ملتی ہے، پاکستانی معاشرے میں عورت کو طلاق کا ذمہ دار سمجھا جاتا ہے، بچوں کے نان و نفقہ کے حصول کے لیے عورت کو دربدر کی ٹھوکر کھانی پڑتی ہے، عدالت کا دروازہ کھٹکھٹانا پڑتا ہے، تب بھی دادرسی تقریباً ناممکن ہی ہوتی ہے۔ یہ عمل جہاں اس کی عزت نفس کا کچلتا ہے، وہیں اس کے لیے کئی گنا مالی مسائل، نفسیاتی و جذباتی اور سماجی مسائل کے انبار لیے ہوتا ہے۔

---

56 Roznama Jang, Lahore ,21 Jan, 2015

57 Ammar Khan Nasir,Mu'āshra,Qanoon Aur Smāji Ahlāqiyāt, Nafāaz-e-Shari'at ki Hikmet e Amli ky Chend Nafāaz Talab Pehlu, Mahnama al-Shari'ah, Dec, 2010, Vol, 21, Shumara:12, p, 48-49

یوں مطلقہ اور اس کے بچوں کا وجود خاندان کے لیے مزید نا قابل برداشت بوجھ بن جاتا ہے۔ ان تمام مفاسد کی روک تھام کے لیے ضروری ہے کہ مصالح کو اختیار کیا جائے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس فعل کی حکمت و مصلحت اور توجیہ کو عصری تقاضوں اور ضروریات کی روشنی میں دیکھا جائے، مزید یہ کہ حلالہ جیسے فعل شنیع کے عام ہونے، زنا و فواحش کے پھیلنے کا قوی خدشہ ہے۔ نیز یہ ایک بدعی طریقہ ہے جو خود قابل مذمت ہے، اس لیے سد ذرائع کے طور پر تین طلاقوں کی بجائے ایک طلاق کا موقف اپنایا جائے۔

مذکورہ بالا حقائق کی روشنی میں عہد حاضر میں اشد ضروری ہے کہ اس طریق کی طرف لوٹا جائے جو عہد نبوی، عہد صدیقی اور عہد فاروقی کے اوائل میں متداول رہا ہے، اسی کو اپنانے میں عافیت ہے اور اسی پر عمل کرنے میں تمام مصالح مضمر ہیں، نیز عرف و عادت اور مصلحت کو دار و مدار بنا کر اصول تلفیق کی روشنی میں بھی اس مسئلے کا حل عصری تقاضوں اور ضروریات کے مطابق کیا جائے۔

پاکستان میں رائج عائلی قانون 1961ء کے سیکشن 7 کے مطابق طلاق کے نوٹس کے نوے دن بعد طلاق مؤثر ہوتی ہے، اس میں طلاق ثلاثہ اکھٹی واقع نہیں ہوتیں۔ بلکہ طلاق رجعی ہی ہوتی ہیں، علما کا اس بارے میں اختلاف رائے ہے اگر ایک طلاق کا موقف اپنا لیا جائے تو ملکی قانون اور شرعی قانون میں مطابقت پیدا ہو جائے گی اور اس اختلافی مسئلے سے ہمیشہ کے لیے چھٹکارا بھی حاصل ہو جائے گا۔

اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات کے مطابق طلاق ثلاثہ کو قابل تعزیر جرم قرار دیا جائے تاکہ ایک ہی طلاق دی جائے اور تمام مسالک میں اس مسئلہ پر اختلاف ختم ہو جائے۔ یہ اتفاق رائے ہمارے عصری مسائل کے حل کے علاوہ ذہنی سکون و اطمینان کا باعث بھی ہو گا۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نقوش اجتہاد کی روشنی میں عصر حاضر کے جدید تقاضوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے فقہ اسلامی کی تشکیل جدید پر توجہ مرکوز کی جائے اور حالات و واقعات کی رعایت رکھتے ہوئے خلق خدا کے حق میں اسلامی احکام و مسائل کی تعبیر کا وہی طریقہ کار اختیار کیا جائے جو خود شارع اسلام اور آپ کے بعد حضرت عمر و حضرت علی نے اختیار کیا۔(58)

---

58 Muhammad Younus,Professor, Sho'ba Islamiyāt, Government College Deska,Hazrat Umer R.A ki Deeni Fraāst Ky Chend Namunay, Mahnama Al-Shari;ah, Vlo, 12, Shumara: 02

تجاویز و سفارشات

ہماری معاشرتی صورتحال میں طلاق ثلاثہ کے حوالے سے اگر درج ذیل نکات پر غور کر کے قانون سازی کی جانب اقدام کیے جائیں تو امید کی جاسکتی ہے کہ حالات میں بہتری ضرور آئے گی۔

۱۔ قرآن کریم کے الفاظ کی وضاحت میں لفظ الطلاق مرتان سے دفعتہ دو طلاقیں مراد نہ لینے کے حکم کی گنجائش موجود ہے۔ لہٰذا ان معنی کو مد نظر رکھا جائے۔

۲۔ احادیث رسول ﷺ سے مجلس واحد میں دی گئی تین طلاقوں کا ایک طلاق واقع ہونے کی وضاحت موجود ہے۔

۳۔ عہد رسالت ﷺ، عہد صدیقی اور عہد فاروقی کی ابتدا تک اسی کے مطابق عمل ہوتا رہا ہے۔

۴۔ یہ فیصلہ اجماعی نہیں ہے۔ اس فیصلے کے خلاف متعدد صحابہ کرامؓ کی آرا موجود ہیں۔ یہ مسئلہ مختلف فیہ رہا ہے۔

۵۔ فقہی اصول مصالحہ مرسلہ اور استحسان کا لحاظ رکھتے ہوئے معاشرتی و اخلاقی مفاد اسی میں مضمر ہے کہ مجلس واحدہ میں دی گئی تین طلاقوں کو ایک ہی شمار کیا جائے۔

۶۔ فقہی قاعدہ ہے کہ جب دو مفسدے ہوں تو جو مفسدہ ہلکا یعنی کم ہو اس کو اختیار کیا جائے۔ ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقوں پر تین کا حکم لگانے سے معاشرے میں جو مفاسد پیدا ہوتے ہیں ان کا تفصیلاً ذکر کیا جاچکا ہے۔ لہٰذا اس ضمن میں کوشش یہ کی جائے کہ کم مفسدہ والی راہ اختیار کی جائے۔

۷۔ ضرورت و حاجات بھی شرعی احکام پر اثر انداز ہوتی ہیں، اس حوالے سے بھی دیکھا جائے کہ عصر حاضر میں خاندانی نظام کی بقا کے لیے اس حکم پر کس طرح عمل کیا جائے۔

۸۔ سد ذرائع بھی ایک اہم فقہی اصول ہے۔ معاشرے سے بے راہ روی، زنا و فواحش کے خاتمے، حلالہ جیسے قبیح فعل سے بچنے نیز مطلقہ خواتین اور بچوں کو بے سہارا اور بے یار و مددگار چھوڑنے سے بہتر ہے کہ طلاق سے متعلق اس مسئلہ کا از سر نو جائزہ لیا جائے۔

۹۔ فقہائے احناف جب عند الضرورت کسی دوسرے فقیہ کے قول پر عمل کرنے کو جائز سمجھتے ہیں تو اس مسئلہ میں بھی مسئلہ کی اہمیت کو اشد ضروری سمجھتے ہوئے اصول تلفیق کو اختیار کیا جائے۔

۱۰۔ عرف و عادت و احوال و ظروف کی بنیاد پر بھی شرعی احکام میں تبدیلی واقع ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں ان اصولوں کو بھی معیار بنا کر جائزہ لیا جائے۔

OOOOO